© rasailojaraid.com

گروہ بھی ہیں جو قانون کی حدود سے باہر سرگرم کار ہیں اور تشدد کا پرچار کرتے ہیں' انھیں جائز طور پر انتہا پسند کہا جاتا ہے۔ انتہا پسند مذہبی بھی ہو سکتے ہیں اور سیکولر بھی۔

ہمارے میڈیا میں سیاسی تشدد' نسلی منافرت اور دہشت گردی کی خبروں میں بالعموم اسلام اور اسلامی بنیاد پرستی کا حوالہ آتا ہے۔ عام قاری کے ذہن میں اسلام کا مجموعی تاثر ایک ایسی تحریک کا ہے جو مغرب دشمن ہے اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے دہشت گردی کرتی ہے۔

ہم اسلام کا بحیثیت مذہب بہت احترام کرتے ہیں۔ اسلام تاریخ کی ایسی تہذیبی تحریک ہے جس نے ہماری تہذیب کو بہت کچھ دیا ہے۔ ایک ارب مسلمانوں کی برادری میں ہمارے بھی کئی لاکھ شہری ہیں۔ اتنی وسیع اور طویل تاریخ رکھنے والی تحریک کو ایک حکیم نہیں لگایا جا سکتا۔ ہمیں زیادہ گہرائی میں تجزیہ کر کے احیائے اسلام کے پس پشت محرکات کو سمجھنا چاہیے۔ اولاً ان علاقوں کے عوام اپنی موجودہ قیادت سے غیر مطمئن ہیں۔ وہ اپنی زندگی بہتر بنانے' بچوں کے لیے بہتر مستقبل کی تعمیر' اور ذمہ دار اور جواب دہ حکومتیں قائم کرنے کے لیے' راستے تلاش کر رہے ہیں۔ وہ موجودہ سسٹم کے خلاف ردعمل کا اظہار کر رہے ہیں۔ ان کا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ اسلامی تصورات کے مطابق قائم ہونے والی حکومتیں عدل اجتماعی کا نظام نافذ کر سکیں گی یا جدید کاری (modernisation) کے ساتھ چل سکیں گی' یا مغرب سے رابطہ کے ناگزیر عمل کو مفید انداز سے بروئے کار لا سکیں گی۔

اپنے معاشروں کے مسائل کو حل کرنے کے لیے اسلامی سیاسی گروہ مختلف رویے اور طریقے اختیار کر رہے ہیں۔ کچھ اپنے ملک کے انتخابی عمل میں شریک ہوتے ہیں' کچھ کو ان کے ملکوں میں اس شرکت سے محروم رکھا جاتا ہے' یا وہ خود اپنے ہاں انتخابی قواعد کو غیر منصفانہ سمجھتے ہوئے مسترد کر دیتے ہیں۔ دوسری صورتوں میں بعض اسلامی گروہ موجودہ حکومتوں' مقامی اقلیتوں اور غیر ملکیوں کے خلاف پر تشدد کارروائیاں کرتے ہیں' جس سے Islamists اور حکومتوں کے درمیان تشدد میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ انتہا پسندوں کی کارروائیوں کے باوجود ہمیں علاقے کی حکومتوں اور معاشروں میں اسلام کے کردار کے مطالعہ سے آنکھیں بند نہیں کرنا چاہییں۔ اسی نقطہ نظر سے ہم مغرب کی جامعات میں اسلامی مطالعات کے مراکز کے قیام کی مکمل تائید کرتے ہیں۔

ایک حکومت کی حیثیت سے ہمارا اسلام سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ ہماری بعض معاشرتی اقدار اور ہمارے قومی مفادات ضرور ہمیں اسلامی احیا کے بعض پہلوؤں کے بارے میں سوالات اٹھانے پر مجبور کرتے ہیں۔ مثلاً ہم اس موقف کو مسترد کرتے ہیں کہ اسلام کی روایتی اقدار کی طرف مراجعت سے لازماً مغرب سے تصادم ہو گا۔ اسلامی احیا کے بعض مظاہر کھلے مغرب دشمن ہیں' اور صرف مغربی اثرات کو ختم کرنے ہی پر مصر نہیں' بلکہ مغرب سے کسی تعاون یا معاشروں کی جدید کاری کے بھی خلاف ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم سیاسی نظام میں سب کی شرکت کے حامی ہیں 'لیکن ان لوگوں کو شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں جو جمہوری عمل کو اقتدار میں آنے کے لیے استعمال کریں اور پھر اقتدار پر مسلط رہنے کے لیے اس عمل کو ہی تباہ کر دیں ۔

ہم عربوں اور اسرائیل کے درمیان امن کو عالمی استحکام اور علاقے کے لوگوں کے معیار زندگی کی بہتری کے لیے لازمی سمجھتے ہیں 'اور اخبارات اور اظہار رائے پر پابندیاں ختم کرنے کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں ۔ ہم اسلامی گروہوں کو استعمال کرنے کی مذمت کرتے ہیں ' مثلاً شمالی افریقہ میں سوڈان کا خود اپنا' یا ایران کے آلہ کار کی حیثیت سے کردار ۔ مگر ہمارے خیال میں علاقے میں سرگرم اسلامی تحریکوں کا کوئی مرکزی کنٹرول نہیں ہے ۔

آخری تجزیہ میں ' سیاسی' معاشی اور تعلیمی مواقع سے محرومی ' انتہا پسندوں کو میدان فراہم کرتی ہے ۔ انتہا پسندی کو شکست دینے کے لیے ان حالات کو درست کرنا ضروری ہے ۔ چنانچہ ہم اس علاقے کی حکومتوں کو معاشی ترقی ' قانون کی بالادستی اور جمہوری اداروں کے قیام پر ابھارتے رہے ہیں ۔ ہم مشرق وسطی میں حکومت کا مغربی ماڈل نہیں تھوپتے 'لیکن وسیع تر سیاسی شراکت کو طویل المیعاد استحکام کا اہم اور ضروری عامل سمجھتے ہیں ۔

الجیریا کی صورت حال کے بارے میں ہمارا نقطہ نظر 'ہماری اس پالیسی کی واضح مثال ہے ۔ حکومت امریکہ نے الجیریا کے حکمرانوں پر واضح کیا ہے کہ سیاسی مذاکرات کی فوری ضرورت ہے ۔ سیاسی شرکت کو وسیع تر کر کے ان اسلامی گروہوں کو بھی شامل کیا جائے 'جو دہشت گردی کے مخالف ہیں ۔

کسی ریاست یا گروہ کے ساتھ ہماری پالیسی میں اسلام کوئی عامل نہیں ہے ۔ ہم اسلام کو مغرب کے مقابلہ پر آنے والا ازم (ism) یا امن عالم کے لیے خطرہ نہیں سمجھتے ۔ لیکن جب ہمیں شیطان بزرگ کہا جائے 'ہماری تہذیب اور اقدار کی تحقیر کی جائے 'یا ہمارے شہریوں کو یرغمال بنا لیا جائے یا تشدد اور دہشت گردی کی جائے تو ہمیں ضرور اعتراض ہوتا ہے ۔

امریکہ علاقے میں امن استحکام اور خوشحالی کے لیے کام کرتا رہے گا 'لیکن اس کے ساتھ عدل اجتماعی اور حقوق انسانی کا ایسا احترام بھی ہو کہ ہر فرد اسے محسوس کرے ۔ یقیناً یہ بعض ممالک کے اسلامی تصورات کے خلاف نہیں ہے ۔

ڈاکٹر ڈینیل پائپنر 'مدیر سہ ماہی مڈل ایسٹ

کیا اسلام ' دشمن ہے؟ نہیں 'مگر بنیاد پرست ضرور دشمن ہیں ۔ کیا اچھے اور برے بنیاد پرست ہوتے ہیں ۔ نہیں 'ان میں ایسا کوئی فرق نہیں ہوتا ۔ امریکہ کو ان سے نبٹنے کے لیے زیادہ موثر اقدامات کرنا چاہییں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام اور بنیاد پرست اسلام میں فرق ہے۔ اپنی ابتدائی صدیوں میں مسلمان اقتدار، دولت، خواندگی ہر لحاظ سے غیر مسلموں سے آگے تھے۔ اسلام کے ساتھ انھیں دنیا میں کامیابی اور عروج بھی حاصل تھا۔ مگر اب گزشتہ دو صدیوں سے اسلام ایک بحران کا شکار ہے۔ ۱۷۹۸ء میں مصر میں نپولین کی آمد کے بعد سے مسلمانوں کے لیے دنیا اب وہ نہیں رہی ہے۔ اس کا کیا حل ہے؟ اس کے تین جوابات ہیں۔ سیکولرسٹ کہتے ہیں، اس کا حل یہ ہے کہ مسلمان مغربی تہذیب اختیار کر لیں یعنی مذہب کو ذاتی معاملہ قرار دے دیں۔ ریفارمر کہتے ہیں کہ مغرب سے وہ کچھ لیا جائے جو مفید ہے۔ بنیاد پرست اسلام سے وابستہ رہنے کو مسئلہ کا حل قرار دیتے ہیں کہ اسی طرح خوشحالی اور عروج حاصل ہو سکتا ہے۔ بنیاد پرست مغربی طور طریقوں کو (ماسوائے طبی علوم، یا فوجی ٹیکنالوجی) مسترد کرتے ہیں اور یہ الزام لگاتے ہیں کہ مغرب سازشوں کے ذریعے اسلام کو نقصان پہنچا رہا ہے اور اپنی دل فریب ثقافت کے ذریعے نوجوانوں کو اپنے اندر جذب کر رہا ہے۔ اس طرح وہ دین سے دور ہو جاتے ہیں اور مسلم معاشرہ کو اسلامی خطوط پر استوار کرنا ممکن نہیں رہتا۔ بنیاد پرستوں نے مخصوص سیاسی، معاشی اور اجتماعی تصورات پر مبنی اپنا نظریہ حیات مرتب کر لیا ہے (جیسا کہ ملایشیا کے رہنما انور ابراہیم کہتے ہیں کہ ہم سوشلسٹ نہیں، سرمایہ دار بھی نہیں، ہم اسلامی ہیں) اس طرح کا سیاسی اسلام بیسویں صدی کی ہی چیز ہے۔ یہ روایتی اسلام سے بالکل مختلف ہے۔ آج مغرب اور اسلام سے زیادہ مسلمانوں کے، یعنی بنیاد پرستوں اور سیکولرسٹوں کے درمیان جنگ جاری ہے۔ کوئی بھی اخبار اٹھا کر دیکھیں تو اس کا اندازہ ہو جائے گا۔ بنیاد پرست اور سیکولرسٹ کسی مسلم معاشرے کا ۱۰ فی صد سے زائد نہیں، لیکن یہ منظم اور فعال ہیں اور سیاسی لحاظ سے سرگرم ہیں۔

ہم غیر مسلم تو اس صورت حال کا صرف نظارہ کرتے ہیں۔ امریکی ہونے کی حیثیت سے ہمارا رول دوسرے غیر مسلموں سے کچھ زیادہ ہے۔

اب میں اپنے اس سوال کی طرف آتا ہوں کہ کیا ہم اچھے اور برے بنیاد پرستوں کے درمیان تمیز کر سکتے ہیں۔ مجھے کلنٹن انتظامیہ کے اس موقف سے اختلاف ہے کہ صرف وہی بنیاد پرست ہمارے مفادات کے خلاف ہیں جو دہشت گردی کی سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔ یہ سب ہی اپنی اصل میں انتہا پسند ہیں اور ہماری تہذیب سے نفرت کرتے ہیں۔ یہ مسلم ممالک میں اسلامی قانون کے نفاذ اور ان کی حدود میں توسیع کے علم بردار ہیں۔ جارحیت ان کے موقف کا لازمی جزو ہے۔ حکمت عملی کے طور پر یہ اپنا موقف تبدیل کر لیتے ہیں لیکن اسے ترک نہیں کرتے۔ ان کا طرز حیات ہمارے مقاصد سے بالکل مختلف ہے۔ اس لیے امریکہ کو بنیاد پرستوں سے تعاون اور حوصلہ افزائی کی پالیسی ہرگز اختیار نہ کرنا چاہیے، بلکہ ان سے مذاکرات بھی نہیں کرنا چاہییں۔ ہمیں تو ان کے خلاف اٹھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کھڑے ہونا چاہیے۔

بلاشبہ اصولی موقف اپنی جگہ ہے اور عملی حقائق اپنی جگہ۔ بعض اوقات بنیاد پرستوں سے تعاون صحیح پالیسی ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر افغانستان میں امریکہ کا بنیاد پرستوں سے تعاون۔ یہ بڑی برائی کے مقابلے میں چھوٹی برائی کا ساتھ دینا تھا۔ کویت کے مسئلہ پر ہم نے عراق کے خلاف ایران کے ساتھ خفیہ طور پر کام کیا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ہم نے ہٹلر کے خلاف اسٹالن سے تعاون کیا۔

کچھ عرصے قبل ہی لیفٹ کی عالمی تنظیم امریکی مفادات کے لیے خطرہ تھی اور رائٹ کی حکومتیں ہمارے لیے کوئی خطرہ نہ تھیں۔ ہم نے رائٹ کے ساتھ تعاون کیا۔ اب صورت حال الٹ گئی ہے۔ ہمارے لیے رائٹ کے خلاف لیفٹ کے ساتھ تعاون کرنا زیادہ مناسب ہے۔ لیفٹ کی باقی ماندہ حکومتیں، (مثلاً الجیریا میں ایف ایل این یا افغانستان میں دوستم) صرف اقتدار ہی چاہتی ہیں، ہماری دشمن نہیں ہیں۔ جبکہ رائٹ، بشمول بنیاد پرست مسلمان، بین الاقوامی طور پر منظم ہیں اور جارحانہ لائحہ عمل پر عمل پیرا ہیں۔ ایران وسوڈان کی مادی مدد کے علاوہ، ایک بین الاقوامی عمل کا حصہ ہونے کی وجہ سے نفسیاتی طور پر اپنے کو طاقت ور سمجھتے ہیں۔ ان کی نظروں میں امریکہ کھٹکتا ہے۔

ہمیں بنیاد پرست مسلمانوں کے خلاف فعال پالیسی اختیار کرنا چاہیے، لیکن عام مسلمانوں کے خلاف نہیں۔ ہماری پالیسی مذہب اسلام کے خلاف نہیں، بنیاد پرست اسلام کے انقلابی نظریے کے خلاف ہو۔ ہمیں اعتدال پسند مسلمانوں کو بنیاد پرست نہیں قرار دینا چاہیے۔ اعتدال پسند تو بنیاد پرستوں سے خود ہی بہت سے مسائل میں الجھے ہوئے ہیں۔ وہ غیر مسلموں سے زیادہ بنیاد پرستوں سے نفرت کرتے ہیں۔

ہماری حکمت عملی کیا ہو؟ ہمیں بنیاد پرستوں کو اپنے پختہ ارادے کا یقین دلانا چاہیے۔ انھیں سمجھنا چاہیے کہ ہمیں اپنے کلچر پر فخر ہے اور ہم اپنے مقاصد کے لیے لڑ بھی سکتے ہیں۔ امریکی، فحاشی اور نشہ کے اسیر نہیں ہیں وغیرہ۔ یہ بڑی سادہ باتیں ہیں، لیکن آپ بنیاد پرستوں کا لٹریچر پڑھیں تو آپ قائل ہو جائیں گے کہ انھیں یہ باتیں بار بار بتانے کی ضرورت ہے۔

ہمیں ان حکومتوں کی مکمل حمایت کرنا چاہیے، جو بنیاد پرستوں سے جنگ میں مصروف ہیں۔ الجیریا کے معاملے میں ہمیں فرانس کا ساتھ دینا چاہیے اور واضح کر دینا چاہیے کہ ہم بنیاد پرستوں کو اقتدار میں نہیں دیکھنا چاہتے۔ اگر وہ اقتدار میں آ ہی جائیں تو ہم ان کے ساتھ چلنے کی کوشش کریں گے۔ اس مرحلہ پر ہمیں واضح کرنا چاہیے کہ ہم حکومت الجیریا کے ساتھ ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ ایک بدعنوان حکومت ہے، اس کی بڑی خراب تاریخ ہے، مگر پھر بھی بنیاد پرست حکومت پر قابل ترجیح ہے۔ یہ ہمارے مفادات کے لیے خطرہ نہیں ہے۔ انسانی حقوق کے لیے یہ کسی بنیاد پرست حکومت سے کم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نقصان دہ ہے۔ الجیریا کی غیر معمولی اہمیت ہے۔ یہاں کے حالات مغربی یورپ اور مشرق وسطیٰ پر اثرانداز ہوں گے۔ ہمیں بنیاد پرستوں کی حکومت کسی بھی جگہ گوارا نہیں ہونی چاہیے: مصر میں، ترکی میں، اردن میں یا فلسطینیوں کی قیادت میں۔

دوسری تدبیر کے طور پر مغرب کو سوڈان اور ایران پر دباؤ ڈالنا چاہیے کہ ان کی جارحیت کم سے کم تر ہو۔ ہمارے ہاتھ میں اقتصادی اور سفارتی ہتھیار ہیں اور فوجی متبادل بھی ہروقت موجود ہے۔

تیسرے، ہمیں ایسے اداروں اور افراد کی مدد کرنا چاہیے جو بنیاد پرستوں کی لعنت کے خلاف کھڑے ہیں۔ رشدی کے واقعہ کے بعد سیکولرسٹ مسلمان مشرق وسطیٰ میں ایک بڑی مصیبت میں ہیں۔ بنیاد پرستوں کے مخالف مسلمان ہماری طرف امید کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ ہمیں اپنا رسوخ اور مال و دولت ان بہادر آدمیوں کی حمایت میں استعمال کرنا چاہیے۔

آخری بات یہ کہ ہمیں جمہوریت کے بارے میں بہت محتاط رہنا چاہیے۔ انتخابات اور جمہوریت کو ہم معنی سمجھ لیا گیا ہے۔ ہمیں اس کے بجائے سیاسی شرکت، قانون کی بالادستی، مذہب اور رائے کی آزادی اور اقلیتوں کے حقوق دینے پر زور دینا چاہیے۔ پہلے امن، پھر مہذب معاشرہ، پھر انتخابات! اگر انتخابات میں جلدی کی جائے تو الجیریا کی طرح جمہوریت دشمن آگے آجاتے ہیں اس لیے کہ وہ زیادہ منظم ہیں اور ووٹر صحیح فیصلہ نہیں کر پاتے۔

جان ایسپوسیتو، ڈائرکٹر مسلم عیسائی مرکز، جارج ٹاؤن یونیورسٹی

سیاسی اسلام کو جسے بنیاد پرست اسلام کہا جاتا ہے، مشرق وسطیٰ کے استحکام کے لیے اور مسلم دنیا میں مغربی مفادات کے لیے خطرہ قرار دیا جاتا ہے۔ ایرانی انقلاب اور اس کے بعد ہونے والے متعدد واقعات نے عالمی سیاست میں اسلام کی جارحانہ پیش قدمی کے احساس کو تقویت دی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انقلاب ایران نے ہماری سوچ کو اس قدر متاثر کیا ہے کہ ہم آج دنیائے اسلام میں رونما ہونے والے واقعات کو اس سے آزاد ہو کر نہیں دیکھ سکتے۔

سعودی عرب، ایران، پاکستان اور دوسرے مسلم ممالک کی حکومتوں میں سے ہر ایک کا اسلام سے تعلق کا اپنا انداز ہے۔ کچھ ہمارے دوست ہیں اور کچھ ہماری دہشت گرد فہرست میں۔ اب ہم میں سے بہت سے یہ کہتے ہیں کہ ہم اسلام یا اسلامی تحریکوں کو لازماً مسئلہ نہیں سمجھتے، ہم صرف انتہاپسندوں کو مسئلہ سمجھتے ہیں۔ دنیا میں بہت سی مسلمان حکومتیں اور اسلامی تحریکیں ہیں۔ ان میں سے کچھ سیاسی نظام کا حصہ ہیں۔۔۔ ایک اقلیت انتہاپسند ہے اور اپنی حکومتوں کا تختہ الٹنے کا پروگرام رکھتی ہے۔ کچھ مغرب دشمن ہیں۔ ہمیں انتہاپسندوں اور حقیقت پسندوں میں فرق کرنا چاہیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۸۰ کے عشرے میں انقلاب ایران نے ہماری رائے کو متاثر رکھا۔ اب ۹۰ کے عشرے میں واضح طور پر نظر آ رہا ہے کہ انتہا پسندی کے ساتھ ساتھ، اسلامی تحریکیں اپنے معاشروں میں سیاسی اور معاشرتی قوت کی حیثیت سے کام کر رہی ہیں۔ ۸۰ کے عشرے میں ان تحریکوں کو انتہا پسند سمجھ کر جبر سے دبانے کی کوشش کی گئی۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ انھیں سسٹم میں آنے دیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ ان کے پیروکار زیادہ نہیں ہیں۔ لیکن کوئی بھی خطرہ مول لینے کو تیار نہ تھا۔ یہ اعتدال پسند اسلامی گروہ، تعلیمی اور رفاہی خدمات انجام دے رہے ہیں اور سیاسی نظام میں شریک ہوتے ہیں، اب جدید تعلیم یافتہ، سیکولر کے ساتھ ساتھ اسلامی ذہنیت رکھنے والی ایک نئی نسل موجود ہے۔ جب ہم بنیاد پرستوں کا جائزہ لیتے ہیں تو اسلامی فکر کے حامل جدید تعلیم یافتہ نسل بھول جاتے ہیں۔ مسلم ممالک کے انتخابات میں یہ گروہ کبھی تو مضبوط حزب اختلاف کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آتے ہیں اور کبھی الجیریا کی طرح، لگتا ہے کہ یہ اقتدار میں آنے والے ہیں۔ بس، یہیں سے مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔

سیاست، جمہوریت اور مغرب کے اسلام سے تعلق کے حوالے سے مسلم معاشروں میں بہت سی بحثیں جاری ہیں۔ اسلام کا نمائندہ کون ہے؟ اسلامی تحریکوں سے باہر جو مسلمان ہیں، کیا وہ مسلمان نہیں؟ اسلام کی تعبیر کون کرے گا، بادشاہ، جنرل یا پارلیمنٹ؟ پھر سوال ہے کون سا اسلام؟ کیا ماضی کو اٹھا کر ویسے کا ویسا ہی رکھ دیا جائے گا یا اس میں اصلاح کی جائے گی۔ پھر ایک مسئلہ جمہوریت کا ہے۔ امریکہ کسی ایسی تحریک کا ساتھ نہیں دے سکتا، جو ایک دفعہ اقتدار میں آ کر جمہوریت کو اغوا کر لے اور انتخابات بس ایک ہی دفعہ ہو کر رہ جائے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ اسلامی تحریکوں کے بارے میں تو یہ معلوم نہیں ہے کہ ان کا رویہ جمہوریت کے ساتھ کیا ہو گا، لیکن ایسے ممالک ہیں جہاں اقتدار پر قابض عناصر جمہوریت دشمنی کی تاریخ رکھتے ہیں، وہ انتخابات کرواتے ہیں، نتیجہ مرضی کے مطابق نہیں آتا، تو سب کچھ لپیٹ دیتے ہیں۔ اسی طرح، الجیریا میں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اسلامی فرنٹ کے پاس معاشی پروگرام نہیں ہے، تو ایف۔ ایل۔ این کی حکومت نے تو تیس برس میں ثابت کیا ہے کہ اس کے پاس معاشی پروگرام نہیں ہے۔ ان ممالک کے حکمران اختلاف کو برداشت نہیں کرتے ہیں۔ عوامی احتجاج کے نتیجہ میں سیاسی عمل کے راستے کھلے، لیکن اختلاف کی پہلی ہی علامات پر راستے مسدود کرنے اور اسلامی تحریکوں کو کچلنے کے اقدامات کیے گئے۔ یہی الجیریا میں ہوا، تیونس میں ہوا اور یہی مصر میں ہو سکتا ہے۔ اعتدال پسندوں اور انتہا پسندوں میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے بلا امتیاز سیاسی جبر و تشدد کیا جا رہا ہے۔ اس رویے سے تشدد اور جوابی تشدد کا مسلسل بڑھنے والا سلسلہ قائم ہونے کا اندیشہ ہے۔

مصر میں اخوان المسلمون اور پاکستان میں جماعت اسلامی کی مثال سے بہت کچھ سیکھا جا سکتا ہے۔ دونوں بہت طویل مدت سے کام کر رہی ہیں، حزب اختلاف میں رہی ہیں مگر مصر میں خصوصاً ناصر کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دور میں، جبر و تشدد کے ردعمل میں متشدد گروہ قائم ہوئے، لیکن پاکستان میں حکومت نے مصر کی طرح کا ظلم و ستم نہیں کیا، اس لیے جماعت نے اس طرح کے پرتشدد ذرائع اختیار نہیں کیے۔ ملایشیا میں اسلامی گروہوں کو کام کرنے کا موقع ملا۔ ملایشیا اور پاکستان کی مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اسلامی گروہوں کو کام کرنے کا موقع دیا جائے تو وقت کے ساتھ ان میں تبدیلی آتی ہے۔ وہ حکومت کے لیے براہ راست خطرہ نہیں رہتے۔ بلکہ جیسا کہ پاکستان کے گزشتہ انتخابات سے معلوم ہوتا ہے معاشرے میں اور سیاسی نعرہ بازی میں مقام رکھنے کے باوجود اپنا سیاسی رسوخ کھو دیتے ہیں۔ عرب دنیا سے باہر دیکھنا مفید ہو سکتا ہے۔ ملایشیا اور پاکستان کے لیڈر کہتے ہیں کہ ہم گرفتار ہوئے، جیلوں میں رہے، ہم گھروں پر نظر بند کیے گئے لیکن یہ سب کچھ اتنا تکلیف دہ نہ تھا۔ اگر ہم کسی عرب ملک میں ہوتے تو قتل کر دیے جاتے۔ حکومت کے جبر و تشدد سے مہم جوئی میں اضافہ ہونا قابل غور ہے۔ حکومت کی پالیسیاں اعتدال پسندوں کو انتہا پسندی کی طرف دھکیل رہی ہیں۔ مصر میں اخوان المسلمون اور جماعت الاسلامیہ میں امتیاز کرنا ضروری ہے۔ اگر ان کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا گیا تو انتہا پسندی میں لازماً اضافہ ہوگا۔

زیادہ تر اسلامی تحریکیں، دوسری سیاسی پارٹیوں کی طرح ہیں۔ آج پوری دنیا میں مذہب کا احیا ہو رہا ہے۔ یہ صرف مسلم دنیا کا عمل نہیں ہے۔ بہت سے مذاہب کے لوگ آپس میں مختلف مسائل پر دست و گریباں ہیں۔

جہاں تک اس علاقے کے حقائق کا سوال ہے، سیاسی اسلام کو باقی رہنا ہے۔ یہ سمجھنا کہ ملازمتیں فراہم کرنے سے صورت حال تبدیل ہو جائے گی، غیر حقیقت پسندانہ ہے۔ بعض ممالک، جہاں اسلامی احیا فعال ہے، غربت کا شکار ہیں، بعض نہیں بھی ہیں۔ بعض ممالک میں بے روزگار نوجوان اسلامی احیا کی طرف آ رہے ہیں، لیکن مصر اور اردن میں، ڈاکٹر، انجینیر اور وکلا اس تحریک کا حصہ بن رہے ہیں۔

ہمیں سیکولر بنیاد پرستی سے بچنا چاہیے۔ سیکولرزم ایک متبادل راستہ ہے، واحد راستہ نہیں۔ دوسرے جو راستہ پیش کر رہے ہیں وہ بھی درست ہو سکتا ہے۔

مغرب کی تاریخ کو دیکھیے، نشاۃ ثانیہ کے بعد مذہبی بحث ہی نہیں، خون خرابہ ہوا۔ صرف سیاسی مباحثے نہیں ہوئے، خانہ جنگیاں ہوئیں۔ سیاسی نظام کے راستے کھلے ہوں تو اسلامی تحریکیں اور دوسرے سب ہی آگے آئیں گے۔ اگر مضبوط حزب اختلاف بنتی ہے تو کثیر جہتی معاشرہ قائم ہوگا۔ اسلامی تحریکیں سیاسی مسائل پر موقف اختیار کریں گی تو انھیں ازسرنو غور و فکر کرنا اور اپنے نظریات کو تبدیل کرنا ہوگا۔ یہ بھی یاد رکھیے، اگر اسلامی تحریکیں برسراقتدار آگئیں تو انھیں اپنے ملکی حالات میں، اور باہم منحصر بین الاقوامی دنیا میں کام کرنا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ اکثریت سسٹم کے اندر کام کرے گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملازمت ' مائیں اور بچے

اخذ و تلخیص : مسلم سجاد

خواتین کام تو ہمیشہ سے کرتی رہی ہیں لیکن باقاعدہ ملازمت جس کی پابندیاں ہوں اور مقررہ اوقات میں گھر سے غیر حاضر رہنا پڑے ' غالباً اس دور کا تحفہ ہے ۔ مغربی معاشرے میں عورت کے جس مقام کو ہمارے معاشرے کی بعض خواتین رشک کی نظروں سے دیکھتی ہیں ' اس کا ایک لازمی حصہ یہ ملازمت ہے ۔ بلکہ یہ مقام اس ملازمت اور معاشی دوڑ میں شرکت کا مرہون منت ہی سمجھا جاتا ہے ۔ مسلم معاشروں میں بھی آہستہ آہستہ اس رجحان میں اضافہ ہو رہا ہے ۔ خود پاکستان میں جو کچھ منظر ہے ' وہ سامنے ہے ۔ اس کا جواز ' یا بعض حلقوں کے نزدیک عدم جواز ' معاوضوں میں عدم مساوات ' جائے ملازمت کے طرح طرح کے مسائل ' آمد و رفت کی پریشانیاں ' حجاب و ستر کی حدود کا لحاظ ' گھریلو زندگی پر اثرات سب ہی جائزوں اور تحقیق کا موضوع ہیں کہ ان سے رویے بنتے ہیں اور پالیسیاں تشکیل پاتی ہیں لیکن اس وقت صرف ایک پہلو پیش نظر ہے اور وہ بچوں کے حوالے سے ہے ۔

مغربی معاشرے میں ہر طرح کے حالات ' تحقیق کے نتیجے میں دو اور دو چار کی طرح واضح ہو جاتے ہیں ۔ اسی لیے جہاں ہم اپنے ملک یا دوسرے اسلامی ممالک کے بارے میں بعض امور میں بالکل تاریکی میں ہوتے ہیں ' مغربی معاشرہ کے وہ امور روز روشن کی طرح عیاں ہوتے ہیں ۔ رسالہ Commentary (فروری ۹۶) میں Yale یونیورسٹی کے پروفیسر David Gelernte کا ایک مضمون Why Mother's Should Stay at Home شائع ہوا ہے جس میں ملازمت پیشہ ماؤں کے بچوں کے حوالے سے کچھ امور کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ۔ اگر ہمارے ملک کے تحقیقی ادارے اور جامعات بھی اس طرح کے تحقیقی منصوبوں پر کام کروائیں تو یقیناً مفید رہ نمائی مل سکتی ہے ۔

فاضل مضمون نگار کے مطابق :

امریکی بچوں کا بہت برا حال ہے ۔ منشیات کا استعمال ' خودکشی کی شرح میں اضافہ ' تشدد کا بڑھتا

© rasailojaraid.com